

کیا کرپشن واقعی جرم ہے؟

معاشرتی رویے مکمل طور پر دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دو کمروں پر محیط ہے جنکا آپس میں کوئی راستہ نہیں، تعلق نہیں۔ باہمی طور پر کوئی دروازہ بھی موجود نہیں۔ انگریزی زبان میں بڑے آرام سے کہا جاسکتا ہے کہ ملک کا ہر شہری اور ادارہ Water tight compartments میں تقسیم ہے۔ ایک رویہ وہ جو بتایا جاتا ہے، بیان ہوتا ہے۔ جسکے متعلق وعظ، نصیحتیں اور مذہبی لیکچر دیے جاتے ہیں۔ دوسرا وہ جو عملی طور پر ہر گھڑی، ہر دم بلکہ ہر پل اپنایا جاتا ہے۔ دونوں میں صرف فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر اس حقیقت کو کوئی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ نہ عام لوگ، نہ خواص، نہ ادارے اور نہ مذہبی رہنما۔

عرض نہیں کر سکتا کہ یہ دو عملی کب سے شروع ہوئی۔ یہ بھی علم نہیں کہ ختم ہوگی بھی کہ نہیں۔ مگر اسکا وجود بہر حال نظام، معاشرہ اور سماج میں ہر سطح پر موجود ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے دور سے پاکستان میں منافقانہ کلچر کی نیل ہری ہو گئی۔ یعنی سب کچھ ایک خاص لبادہ میں جائز ہو گیا۔ مگر تنقیدی عمل سے سوچا جائے تو سب کچھ پہلے سے موجود تھا۔ ضیاء الحق نے تو صرف اس ہنر کو تھوڑا سا پالش کیا۔ اسکے بعد بعض لوگ یا ادارے اس ہنر میں ایسے یکتا ہوئے کہ پوری دنیا حیران ہو گئی۔ بلکہ اب تک حیران ہے۔ اکثر افراد نے تو اسکی بدولت اس درجہ کی چاندی پیدا کی، کہ ملک کی سلیمت ہی داؤ پر لگ گئی۔ کیفیت آج تک جاری ہے۔ مگر معاملہ صرف اور صرف منافقت یا کسی اور منفی امر کا نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں سچ کو جھوٹ ثابت کرنا اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا بے حد آسان ہے۔ بلکہ بچوں کا کھیل ہے۔ ابھی دو عملی تک محدود رہے۔ مثال کے طور پر "دختررز" کے استعمال کا جائزہ لیں۔ عملی طور پر ہر بڑے اور چھوٹے شہر، علاقے، دیہات، قصبہ میں اکثر مخفلیں اسکے بغیر ویران ہیں۔ قطعاً گناہ اور ثواب کے زاویے سے عرض نہیں کر رہا۔ شادی کی کسی تقریب پر چلے جائے۔ یہ شروع میلاد سے ہوتی ہے۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد اکثر جگہ "محفل ناؤ ونوش" شروع ہو جاتی ہے۔ خیر یہ ایک ذاتی مسئلہ ہے۔ مگر مسئلہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں وہی لوگ جو شام ڈھلے مدہوش ہونے کو لازم سمجھتے ہیں۔ اگلے دن، اسی عمل کی بنیاد پر دوسرے لوگوں پر تنقید کے نشتر چلا رہے ہوتے ہیں۔ کردار کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ برا بھلا کہہ رہے ہوتے ہیں۔ سرکاری ملازمین اور سرکاری اداروں میں یہ روش سب سے زیادہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو سال میں 365 دن اسی کام میں مصروف کار رہتے ہیں۔ مگر صبح ان سے کسی دوسرے ساتھی کے بارے میں پوچھا جائے تو ڈھٹائی سے جواب دیتے ہیں کہ بھئی وہ تو ہر درجہ بلا نوش ہے۔ اسے تو شام کو ہوش ہی نہیں ہوتا۔ یہ منافقت کا وہ عملی رویہ ہے جو بالکل عام ہے۔ اس پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ اسکو مکمل طور پر اپنایا گیا ہے۔ یعنی کہو کچھ اور اور کچھ اور۔ ہر جگہ بالکل ایک جیسا حال ہے۔ ایک جرم لکھاری، لاہور ایک ہفتہ قیام پذیر رہا۔ ایک فورم پر ملاقات ہوئی۔ اس سے شہر اور ثقافت کے متعلق سوال پوچھا تو بے لاگ طریقے سے کہنے لگا، کہ لاہور شہر میں "ممنوعہ پانی" کا استعمال برلن سے زیادہ ہے۔ یہ وہ دو عملی ہے جسکو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ مگر یہ معاشرے کی حقیقی تصویر ہے۔

کرپشن کی طرف آئیے۔ دنیا میں کرپشن انڈکس کے نام سے ایک مستند ترین تجزیہ موجود ہے۔ یہ

رپورٹ Transparency International ہر سال شائع کرتی ہے۔ اس ادارے کی بے حد مضبوط ساکھ ہے۔ 175 ممالک کا جائزہ لینے کے بعد جنوری میں تقابلی رپورٹ شائع کی جاتی ہے۔ ہمارے عظیم ملک کی درجہ بندی گزشتہ دہائیوں سے تقریباً ایک جیسی ہے۔ 1995 سے آج تک تو خیر اس ادارے تمام ڈیٹا اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے کے حالات بھی بالکل یکساں تھے۔ اوسط نکالیے تو پاکستان اس پیریڈ میں 108 ویں درجہ پر ہے۔ مگر یہ صرف اوسط ہے، حقیقی طور پر 144 اور 116 نمبر کے درمیان لڑکھڑا رہا ہے۔ سیاسی نعرے اور دعوؤں کو چھوڑ دیجئے۔ حقائق یہی ہیں کہ ہم عرصہ دراز سے دنیا کے کرپٹ ترین ملکوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ وہ کون سے عوامل ہیں جسکی بنیاد پر یہ انڈکس تیار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مختصر سے کالم میں انکا جائزہ لینا ناممکن ہے۔ سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور کینیڈا دنیا کے کم ترین کرپٹ ملکوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آئس لینڈ، ناروے وغیرہ بھی کرپشن فری ملک ہیں۔ ایک انتہائی اہم بات یہ بھی ہے کہ وہ تمام ممالک جن میں مذہب پر ہماری طرح حکومتی اور لوگوں کی لفظی اہمیت مرکوز نہیں ہیں، ان میں عام لوگوں کی زندگی ہمارے سے بہت بہتر ہے۔ خیر حکومتی سطح پر مذہب کی اہمیت پر عنقریب گزارشات پیش کرونگا۔ تحقیق کر رہا ہوں کہ بالآخر تمام ممالک جو مشکل مذہبی رویوں سے بالاتر ہو چکے ہیں، بالآخر اتنی ترقی کیوں اور کیسے کر رہے ہیں۔ خیر یہ بحث کسی اور وقت۔ ہمارے ملک کے متعلق دنیاوی عمومی رائے مختلف زاویوں سے منفی ہے۔ مگر اس کو یہاں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ خیر یہاں تو کچھ بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اب تو عدالتوں سے بھی انحراف ہو چکا ہے۔ یہ سول انارکی کی ابتداء ہے۔ آگے دیکھیے، کیا ہوتا ہے۔ بات کرپشن کی ہو رہی تھی۔ اکثر بتایا جاتا ہے کہ سرکاری شعبہ بہت خستہ حال ہے۔ مگر حقیقت اس سے قدرے مختلف ہے۔ نجی شعبہ، پبلک سیکٹر سے بہت زیادہ کرپٹ ہے۔ ایف۔ بی۔ آر میں تعینات کئی دوست ایسے ایسے سنگین واقعات سناتے ہیں کہ دل دہل جاتا ہے۔ عمومی رائے تو یہ ہے کہ نجی ادارے ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ مگر یہ تو بالکل عام سی بات ہے۔ بلکہ چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ چھوٹا تو خیر نہیں۔ لیکن اسکے علاوہ تجارتی ادارے جو معاشی جرائم کرتے ہیں، اسکا اندازہ عام بندہ کر ہی نہیں سکتا۔ سادہ سی مثال لیجئے۔ پوٹھوہار کے خوبصورت ترین علاقوں میں سیمنٹ بنانے والے کارخانے ہمارے پہاڑ تک ہڑپ کر چکے ہیں۔ سبسڈی، ری بیٹ اور دیگر سرکاری سہولتوں سے فیضیاب ہونا لگ ہے۔ ہر طرف یہی حال ہے۔ گنا بنیادی طور پر ان ملکوں کی فصل ہے جہاں بے حد بارش ہوتی ہے۔ مگر ہماری شوگر ملوں نے اس فصل کو لگا کر کپاس، گندم اور دیگر فصلوں والے علاقوں کو برباد کر دیا ہے۔ پھر کم تولنے اور غلط رسیدیں جاری کرنا بالکل عام سی بات ہے۔ سرکاری شعبے کو بھی قطعاً معصوم نہیں سمجھتا۔ جو ملازم سائیکل، موٹر سائیکل اور ویگنوں پر سوار ہو کر سول سروسز اکیڈمی آئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بڑے بڑے محلات میں زندگی گزارتے ہیں۔ بچوں کی شادیوں پر کروڑوں خرچ کرتے ہیں۔ دوران ملازمت ایسی لوٹ مار کرتے ہیں، کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ مگر ایک بے حد تکلیف دہ رویہ سامنے آتا ہے۔ کرپٹ ترین افسر ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور ایماندار افسر کڑھتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ پھر یہ کرپٹ ترین افسر کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جو نیر افسروں میں سے کس کو معتوب ٹھہرائے۔ جو انکے گروپ میں آگیا، وہ بے ایمان ہونے کے باوجود پاک صاف قرار پاتا ہے۔ سینکڑوں مثالیں ہیں یا شاید ہزاروں۔ ابھی اس پر لکھنا مناسب نہیں۔

کسی شعبہ کو دیکھ لیجئے۔ زبوں حالی اور کرپشن لازم نظر آئے گی۔ چند دن پہلے ایک ویڈیو کلپ دیکھا۔ پھل بیچنے والے شخص نے

لفافہ نکالا اس میں پھل ڈالے اور ایک سیکنڈ میں ہاتھ کی صفائی سے اس لفافے کو ریڑھی کے نیچے لے گیا اور وہاں پہلے سے موجود گلے سڑے پھلوں کا لفافہ نکال کر گاہگ کے حوالے کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ جب وہ ہر طرف اربوں بلکہ کھربوں کی کرپشن کی کہانیاں سنتا ہے تو اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ وہ بھی امیر ہو۔ پیسہ کمائے۔ چنانچہ اپنی سطح پر جو کر سکتا ہے، بیانگ دہل کرتا ہے۔ پھل فروش کو استعارے کے طور پر استعمال کیجئے۔ کسی جگہ چلے جائیے۔ آپ جائز طریقے سے کام نہیں کروا سکتے۔ دوائیوں والے کارخانے، دو نمبر دوائیاں بنا کر لوگوں کو ناجائز منافع کیلئے قتل کر رہے ہیں۔ مالکان کو تو کبھی سزائے موت نہیں ہوئی۔ اسلیے کہ عملی طور پر ایک نمبر دوائی کا معمول ہی ختم ہو چکا ہے۔

پٹواری سے پیسے کے بغیر فنکلو کر دکھائیے۔ میرٹ پر مل لگانے کے کسی بھی جائز حق کو مفت استعمال کروا کر دیکھائیے۔ سکولوں میں اساتذہ مناسب توجہ نہیں دیتے۔ آپ انکے ٹیوشن سینٹر بند کروا کے دکھائیے۔ عدالتوں میں اپنی مرضی کی تاریخ مفت لے کر دکھائیے۔ ریلوے کی سیٹ بغیر پیسے کے حاصل کر کے دکھائیے۔ عرض کرنے کا مقصد ہے کہ اوپر سے نیچے تک اور پاتال سے آسمان تک کرپشن اس ملک میں سانس لینے کا طریقہ ہے۔ زندہ رہنے کا نظام ہے۔ ہاں، مانے گا کوئی بھی نہیں۔ اسلیے کہ ہمارے ہاں، جو کہا جاتا ہے، ہرگز ہرگز نہیں کیا جاتا۔ پورا ملک ناجائز طریقے سے پیسہ کمانے پر جتا ہوا ہے۔ صورتحال دیکھ کر یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ کیا کرپشن واقعی ہمارے ملک میں جرم ہے؟ پورا نظام تو چلتا ہی دو نمبر طریقے سے ہے۔ یہاں ایمانداری کا کیا کام؟

راؤ منظر حیات